عمر رسیدہ سلمان رشدی کی تازہ داستان ''خنجر''

عبدالماجد نظامی

بدنام

زمانہ مصنف سلمان رشدی اب اپنی زندگی کے 76 ویں پڑاؤ پر کھڑا ہے اور اس بات کی قوی امید ہے کہ اگر آج سے تقریباً دو سال قبل نیویارک شہر میں اگست 2022 میں ہادی مطر نامی 24 سالہ نوجوان نے اس پر خنجر سے حملہ کرکے زخمی نہ کردیا ہوتا تو آج اس کو کوئی یاد بھی نہیں کر رہا ہوتا۔ نیویارک میں اس پر جو حملہ ہوا تھا، اس کی وجہ سے سلمان رشدی کی آنتیں متاثر ہوئی تھیں، ہاتھ تقریباً شل ہوگئے تھے اور بائیں آنکھ ہمیشہ کے لیے بے نور ہوگئی۔ لیکن اس حملہ کا ایک فائدہ ضرور ہوا کہ سلمان رشدی کو اپنی عمر کی اس منزل پر ایک نئی زندگی مل گئی۔ 1988 میں سلمان رشدی کا وہ ناول شائع ہوا تھا جو ''شیطانی آیات'' کے نام سے معروف ہے اور مسلم دنیا میں یہ کتاب نہایت مبغوض اور اسلام مخالف سمجھی جاتی ہے کیونکہ اس ناول میں رشدی نے اسلام کی مقدس ترین شخصیات کو اپنی ہرزہ سرائی کا نشانہ بنایا تھا۔ سیاسی طور پر یہ وہی زمانہ ہے جب ایران میں 1979 میں امام خمینیؒ کی قیادت میں اسلامی انقلاب برپا ہوا تھا اور مغرب بالخصوص امریکہ کے خلاف ایران نے اپنا محاذ کھول دیا تھا۔ امریکہ کے سارے پینترے ناکام ہوگئے تھے اور اس کے سفراء بھی ایران کے انقلاب پسند اسٹوڈنٹس کے احتجاج میں بری طرح پھنس گئے تھے اور اپنے مفادات سے امریکہ کو ہاتھ دھونا پڑا تھا۔ ایران کے اس تازہ ایرانی انقلاب نے مسلم دنیا اور مغرب کے درمیان خلیج فارس سے بھی گہری خلیج پیدا کردی تھی۔ ابھی اس انقلاب کے چند برس ہی گزرے تھے کہ سلمان رشدی کا یہ ناول منظر عام پر آ گیا۔ امام خمینی نے بجا طور پر اس کتاب کو اسلام کے مسلمات پر حملہ تصور کیا تھا اور 1989 میں ایک فتویٰ جاری کیا جس کے تحت رشدی کی جان کو حلال قرار دیا گیا تھا۔ ہندوستان میں بھی اس کتاب کے خلاف سخت احتجاجات ہوئے تھے اور اسی وجہ سے اس کی طباعت اور خرید و فروخت پر پابندی عائد کردی گئی تھی۔ اسی وقت سے یہ بحث جاری ہے کہ کیا یہ فتویٰ سیاسی نوعیت کا تھا یا اس کے دینی پہلو تھے۔ برطانوی شہریت کا حامل رشدی اسی وقت سے بہت چھپ چھپ کر اپنی زندگی گزارتا رہا ہے تاکہ اسلام کے کسی شیدائی کا وہ نشانہ نہ بن جائے۔ جب اگست 2022 میں رشدی ایک پروگرام میں شرکت کی غرض سے نیو یارک گیا ہوا تھا تو غالباً اسے یہ توقع نہیں تھی کہ اتنی طویل مدت گزر جانے کے بعد بھی اس فتویٰ کا اثر باقی ہوگا اور وہ اس کا شکار ہوسکتا ہے۔ اس کا ذکر رشدی نے اس حملہ کے بعد کے مراحل کے ذکر پر مبنی اپنی تازہ ترین سرگزشت میں بھی کیا ہے۔ چونکہ اس پر خنجر سے حملہ کیا گیا تھا، اسی مناسبت سے رشدی نے اپنی کتاب کا نام "Knife: Meditations After an Attempted Murder" رکھا ہے۔ اس

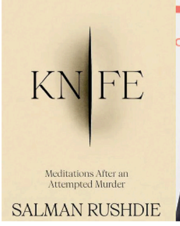

کتاب میں رشدی نے خنجر کے حملہ سے روبرو ہونے اور اس کے مابعد کے تجربہ سے گزرنے کی داستان کو بیان کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ داستان ایک بار پھر اسلاموفوبیا کے مرکز مغربی معاشرہ میں رشدی کو ہیرو بنانے کے لیے کافی ہے۔ لیکن کیا اس سے یہ حقیقت بدل جائے گی کہ رشدی نے اپنے قلم کا استعمال پوری زندگی منفی مقاصد کے لیے کیا ہے؟ رشدی کی تحریریں یقیناً زبان و بیان کے معیار پر پوری اترتی ہیں اور اسی لیے اس کو مغربی دنیا میں اپنا مقام حاصل ہوا لیکن اس تلخ حقیقت سے بھی انکار کرنا مشکل ہے کہ اگر ہندنژاد اس برطانوی شہری نے اپنے ادبی سفر کو

روبرو

اسلام کے خلاف زہر افشانی اور مسلمانوں کے مقدسات کو پامال کرنے کے لیے استعمال نہیں کیا ہوتا تو اس کو ہرگز وہ مقام نہ ملتا جس سے آج تک وہ لطف اندوز ہو رہا ہے۔ اگرچہ آزادیٔ رائے کے کھوکھلے مغربی معیار کی بنیاد پر ہمیشہ رشدی اور اس کی تحریروں کا دفاع کیا گیا لیکن رشدی کو کبھی بھی عالمی سطح پر ایک مثبت فکر کے حامل ادیب کے طور پر قبول نہیں کیا گیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ادب سماج کا آئینہ ہوتا ہے اور انسانی معاشرہ کی پیچیدگیوں کو سلجھانے کے لیے اس صنف ادب کا استعمال بکثرت ہوتا ہے جس کا استعمال سلمان رشدی نے کیا۔ البتہ یہ قطعاً نہیں کہا جاسکتا کہ رشدی نے اپنی کتابوں اور ناولوں سے وہی کام لیا جو دنیا کے ممتاز قلم کاروں نے لیا ہے۔ مثلاً جین آسٹن نے اپنے ناولوں میں وکٹوریہ عہد کی خواتین کے جذبات کی عکاسی کی اور چارلس ڈکنس نے اس عہد کے بدلتے سیاسی و سماجی حالات کو بیان کیا جو آج بھی قارئین کے لیے اہمیت کے حامل ہیں اور بجا طور پر کلاسکس کا درجہ رکھتے ہیں۔ اگر سلمان رشدی نے اپنے تصنیفی سفر کو اسی نہج پر جاری رکھا ہوتا جس کا آغاز اس نے اپنے پہلے ناول Midnight's Children کے ذریعہ کیا تھا تو یقیناً اس کی تحریریں اس لائق تھیں کہ اس کو وہی مقام ملے جو دنیا کے بہترین قلم کاروں کو نصیب ہوتا ہے۔ لیکن اس نے مغربی دنیا کے اس منفی مزاج کے استحصال کو ترجیح دی جس میں اسلام دشمنی بھری پڑی ہے۔ وہ خود کو جلد سے جلد مغربی معاشرہ میں مقبول دیکھنا چاہتا تھا اور اس مقصد کی تکمیل کے لیے رشدی نے اسلامی تقدسات کو نشانہ بنانا ضروری سمجھا۔ رشدی کی یہی فکر اس کو عزت و عظمت کے مرتبہ سے گرا دیتی ہے اور دنیا کے تمام حق پسندوں کی نظر میں اس کو مبغوض بنا دیتی ہے۔ ''شیطانی آیات'' جیسی تحریروں کو ہرگز ایک مثبت ادب کا درجہ نہیں دیا جاسکتا اور نہ ہی اس کے عمل کا دفاع آزادیٔ رائے کے نظریہ سے کیا جاسکتا ہے۔ یقینی طور پر یہ آزادیٔ رائے کا بیجا اور غیر اخلاقی استعمال ہے۔ جہاں تک رشدی پر حملہ کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں اتنا ہی کہا جاسکتا ہے کہ اس قسم کے ردعمل سے کوئی فائدہ پہنچنے کے بجائے الٹا نقصان ہی ہوتا ہے اور اسلام دشمن عناصر کو یہ پروپیگنڈہ پھیلانے کا موقع مل جاتا ہے کہ اسلام کے ماننے والے کسی قسم کی تنقید کو گوارہ نہیں کرتے اور پرتشدد ردعمل پر اتر آتے ہیں اور اس طرح اسلام کے بارے میں صرف منفی آراء ہی میڈیا میں جنم لیتی ہیں۔ جو لوگ رشدی جیسے منفی مزاج مصنفین کی تحریروں سے تکلیف محسوس کرتے ہیں، ان کے لیے بہتر یہ ہے کہ قانون کے سہارے ان کا مقابلہ کریں اور معیاری تحریروں کے ذریعہ ان کے نقائص کو واضح کریں، البتہ تشدد کا راستہ اختیار کرنے سے گریز کریں تاکہ علمی دلائل سے رشدی جیسے مصنفین کی خودغرضی اور ان کے فکری دیوالیہ پن کو بے نقاب کیا جاسکے۔ اگر ایسا نہیں کیا گیا تو فائدہ صرف رشدی بریگیڈ کو ہی ملے گا جو بالکل بھی مناسب نہیں ہوگا۔ رشدی کی تازہ ترین کتاب سے یہی واضح ہوتا ہے۔ لہٰذا مستقبل میں کسی بھی ردعمل کو مثبت رخ دینے کا ہنر سیکھنا ہوگا۔

اگر سلمان رشدی نے اپنے تصنیفی سفر کو اسی نہج پر جاری رکھا ہوتا جس کا آغاز اس نے اپنے پہلے ناول Midnight's Children کے ذریعہ کیا تھا تو یقینا اس کی تحریریں اس لائق تھیں کہ اس کو وہی مقام ملے جو دنیا کے بہترین قلم کاروں کو نصیب ہوتا ہے۔ لیکن اس نے مغربی دنیا کے منفی مزاج کے استحصال کو ترجیح دی جس میں اسلام دشمنی بھری پڑی ہے۔

(مضمون نگار روزنامہ راشٹریہ سہارا کے گروپ ایڈیٹر ہیں)
editor.nizami@gmail.com

بستی میں کیوں آتے ہیں تیندوے؟

پنکج چترویدی

عالمی

شہرت یافتہ سیاحتی مقام کھجوراہو سے متصل گاؤں بینی گنج میں ایک تیندوا کنویں میں گر گیا، جسے بعد میں نکال کر نزدیک کے پنا نیشنل پارک میں چھوڑ دیا گیا۔ یہ تیندوا پانچ دن سے بستی میں گھوم رہا تھا اور کئی بکریوں اور بچھڑوں کا شکار کرچکا تھا۔ ابھی اس ماہ کے پہلے ہی دن دہلی میں یونیورسٹی کے نزدیک گھنی بستی براڑی کے جگت پور گاؤں میں دن میں ایک تیندوا گھر میں بیٹھا ملا۔ بھیڑ دیکھ کر وہ حملہ آور ہوا اور پانچ لوگ زخمی ہوگئے۔ جیسے ہی گرمی شروع ہوئی، تپتے راجستھان کا ڈونگر پور ہو یا گھنے جنگلات والا اتر پردیش کا لکھیم پور یا پھر آسام، ہر ریاست میں بستی میں تیندوے کے پہنچنے کے واقعات سامنے آرہے ہیں۔ کئی جگہ انسانوں سے ٹکراؤ میں ان کی جان بھی گئی۔ ظاہر ہے کہ جب جنگل کا جانور بستی میں نظر آتا ہے تو انسان میں بھی خوف پیدا ہوجاتا ہے۔ ایک تو سمجھنا ہوگا کہ تیندوا بستی کی طرف آ کیوں رہا ہے، دوسرے یہ قبول کرنا ہوگا کہ کوئی بھی جانور انسان پر حملہ کرنے کے لیے گاؤں-شہر میں نہیں آتا، پھر اس بات کا ایسا حل تلاش کیا جاسکتا ہے کہ قدرت کی یہ خوبصورت دین اپنے قدرتی مسکن میں محفوظ رہے۔

مورخہ 9 اپریل کو سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کی سربراہی والی سہ رکنی بینچ نے، جس میں جسٹس جے بی پاردی والا اور جسٹس منوج مشرا شامل تھے، نایاب پرندہ گریٹ انڈین بسٹرڈ کو تحفظ فراہم کرنے والے معاملے میں تسلیم کیا ہے کہ لوگوں کو بنیادی حقوق کے دائرے میں آب و ہوا کے منفی اثرات سے آزاد ہونے کا حق ہے۔ وہیں زمین کی دیگر مخلوقات بھی اتنی ہی قیمتی ہیں جتنا انسان۔ چیتا ہمارے سامنے مثال ہے کہ آزادی کے بعد کیسے وہ ہمارے ملک سے ناپید ہوا تھا۔ آج بھلے ہی تیندوے کی تعداد کافی ہے لیکن جب انسان سے اس کے ٹکراؤ میں اضافہ ہوگا تو ظاہر ہے کہ اس کی افزائش نسل، خوراک، مسکن سبھی پر منفی اثرات پڑیں گے، بالخصوص اس وقت جب آب و ہوا میں تبدیلی جانوروں پر بھی بری طرح اثرانداز ہو رہی ہو۔

اس سال گرمی جلد آگئی اور شدید بھی۔ ایک تو جنگل میں گھاس کی کمی سے تیندوے کی قدرتی خوراک کہلانے والے جانور کم ہیں تو دوسرا پانی کی شدید کمی ہے۔ شدید گرمی میں تیندوے کے بستی میں آنے کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ جنگلوں میں قدرتی آبی ذرائع کم ہو رہے ہیں۔ گھاس کم ہونے کا مطلب ہے کہ تیندوے کا شکار کہے جانے والے ہرن وغیرہ کی کمی یا ان کا ہجرت کرجانا۔ واضح ہو کہ جنگل کا جانور انسان سے سب سے زیادہ خوفزدہ رہتا ہے اور وہ بستی میں تبھی گھستا ہے جب وہ پانی یا خوراک کی تلاش میں بے حال ہوجائے۔ چونکہ تیندوا کتے سے لے کر مرغی تک کو کھا سکتا ہے، لہٰذا جب ایک بار لوگوں کی بستی کی راہ پکڑ لیتا ہے تو آسانی سے شکار ملنے کے لالچ میں بار بار یہاں آتا ہے۔ کبھی کبھار محکمۂ جنگلات کے لوگ انہیں پنجرا لگا کر پکڑتے ہیں اور پھر پکڑے گئے مقام کے نزدیک ہی کسی جنگل میں چھوڑ دیتے ہیں۔ چونکہ تیندوے کی یادداشت بہترین ہے، لہٰذا وہ لوٹ کر وہیں آجاتا ہے۔ جان لیں کہ گھنے جنگل میں بلی ماسی کے خاندان کے بڑے ممبر شیر کا قبضہ ہوتا ہے اور اسی لیے خاندان کے چھوٹے ممبر جیسے تیندوے یا گلدار بستی کی طرف بھاگتے ہیں۔ ستم ظریفی ہے کہ جنگل کے محفوظ جانور ہوں یا پھر کھیتی-کسانی میں معاون مویشی، ان کے لیے پانی یا خوراک کی کوئی دوررس پالیسی نہیں ہے۔

تیندوا ایک اچھا شکاری تو ہے ہی، کسی علاقے کے ماحولیاتی نظام کے معیار کا

تجزیہ

نشان بھی ہوتا ہے۔ بدقسمتی ہے کہ آج اس کا وجود ہی خطرے میں ہے۔ جنگلی بلیوں کے کنبے کی بنیادی خصوصیات سے برعکس اس کا مزاج حالات کے مطابق خود کو ڈھال لینے کا ہوتا ہے۔ جیسے کہ یہ چوہوں اور سیہہ (Porcupine) سے لے کر بندروں اور کتوں تک کسی بھی چیز کا شکار کرسکتے ہیں۔ وہ گھنے جنگلات اور انسانی بستیوں کے پاس پنپ سکتے ہیں۔ نئے ماحول میں ڈھل جانے کی صلاحیت انہیں کہیں بھی چھپنے اور انسان کے ساتھ جینے کے قابل بنا دیتی ہے۔ لیکن جب تیندوے جنگلات کے باہر گھنی آبادی والے علاقوں میں پائے جاتے ہیں، تو ہمیں لگتا ہے کہ وہ بھٹک گئے ہیں۔ ہم بھول جاتے ہیں کہ یہ ان کا بھی گھر ہے، اتنا ہی ہمارا بھی ہے۔

تیندوا اپنا جنگل چھوڑ کر اگر طویل سفر کرتا ہے تو اس کی وجہ خوراک کے علاوہ اپنے جنسی فعل کے لیے ساتھی کی تلاش کرنا ہوتا ہے۔ ایک جنگل سے دوسرے جنگل میں جانے کے لیے، تیندوے قدرتی گلیاروں کا استعمال کرتے ہیں جو زیادہ ندیوں اور کھیتوں کے ذریعے ہوتے ہیں۔ چونکہ یہ کاریڈور انسانی بستیوں کی اندھا دھند توسیع کی وجہ سے ٹوٹ گئے ہیں، اس لیے تیندوے کے انسانی رابطے کا خدشہ پیدا ہو جاتا ہے۔ حالانکہ تیندوے جتنا ہوسکے انسانی رابطے سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔

تیندوے کو اگر ایک بار انسان کے خون کا مزہ مل جائے تو یہ خطرناک ہوتا ہے۔ جنگل کا اپنا ایک سائیکل ہوا کرتا تھا، سب سے اندر گھنے اونچے درختوں والے جنگل، گہری گھاس جو کہ کسی باہری دخل سے آزاد رہتی تھی، وہاں انسان کے لیے خطرناک جانور شیر وغیرہ رہتے تھے، وہیں ایسے خرد نامیے (Microorganisms) کا بسیرا ہوتا تھا جو اگر مسلسل انسان کے رابطے میں آئے تو اپنے کرو موسوم کو انسان کے جسم کے مطابق بدل سکتے تھے۔

اس کے باہر کم گھنے جنگلات کا گھیرا- جہاں ہرن جیسے جانور رہتے تھے، گوشت خور جانور کو اپنی خوراک کے لیے محض اس سائیکل تک آنا ہوتا تھا۔ اس کے بعد جنگل کا ایسا حصہ جہاں انسان اپنے پالتو مویشی چراتا، اپنے استعمال کے لیے جنگل کی پیداوار کو تلاش کرتا اور اس گھیرے میں ایسے جانور رہتے جو جنگل اور انسان دونوں کے لیے بے ضرر تھے۔ تبھی اس پیرامڈ میں شیر کم، ہرن اس سے زیادہ، جنگل اور بستی میں ایڈجسٹ ہو جانے والے جانور اس سے زیادہ اور اس کے باہر انسان، ٹھیک یہی پیٹرن جنگل کے گھنے پن میں نافذ ہوتا۔ جنگلوں کی اندھا دھند کٹائی اور اس میں بسنے والے جانوروں کے قدرتی مسکنوں کے تباہ ہونے سے انسانی دخل سے دور رہنے والے جانور براہ راست انسان کے رابطے میں آگئے۔

اگر انسان چاہتا ہے کہ وہ تیندوے جیسے جنگلی جانوروں کا نوالہ نہ بنے تو ضرورت اس بات کی ہے کہ قدرتی جنگلات کو نہ چھیڑا جائے، جنگلات میں انسانوں کی سرگرمیوں پر سختی سے پابندی عائد ہو، خاص طور پر جنگلات میں ندی اور نالوں کو معدنیات یا ریت کی کان کنی کے نام پر اجاڑا نہ جائے۔

آج بھلے ہی تیندوے کی تعداد کافی ہے لیکن جب انسان سے اس کے ٹکراؤ میں اضافہ ہوگا تو ظاہر ہے کہ اس کی افزائش نسل، خوراک، مسکن سبھی پر منفی اثرات پڑیں گے، بالخصوص اس وقت جب آب و ہوا میں تبدیلی جانوروں پر بھی بری طرح اثرانداز ہو رہی ہو...اگر انسان چاہتا ہے کہ وہ تیندوے جیسے جنگلی جانوروں کا نوالہ نہ بنے تو ضروری ہے کہ قدرتی جنگلات کو نہ چھیڑا جائے۔

pc7001010@gmail.com

اقوال زریں

- ماں باپ کے پاس بیٹھنے کے دو فائدے ہیں، آپ کبھی بڑے نہیں ہوتے اور ماں باپ کبھی بوڑھے نہیں ہوتے۔
- غریب کو صدقہ یہ سمجھ کر مت دیجیے کہ آپ اس کی دنیا سنوار رہے ہیں، بلکہ یہ سمجھ کر دیجیے کہ وہ آپ کی آخرت سنوار رہا ہے۔

روزنامہ راشٹریہ سہارا
ROZNAMA RASHTRIYA SAHARA NEW DELHI

ووٹ کی اہمیت

لوک سبھا انتخاب کیلئے آج 19 اپریل کو 102 سیٹوں پر پولنگ ہونے جارہی ہے۔ ملک کی 21 ریاستوں اور مرکز کے زیر انتظام علاقوں کی 102 سیٹوں کیلئے کل 1625 امیدوار میدان میں ہیں۔ اس انتخاب کیلئے 127 عام مشاہد، 67 پولیس مشاہد اور انتخابی اخراجات پر نظر رکھنے کیلئے کل 167 مشاہد مقرر کیے گئے ہیں۔ فورسز کا بھی مناسب انتظام ہے اور انہیں امن و امان پر کڑی نظر رکھنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ سیاسی جماعتوں کو اپنے اپنے امیدوار کیلئے جتنی زور آزمائی کرنی تھی، کل تک انہوں نے کی۔ طرح طرح کے خوش نما وعدے، بلند بانگ دعوے کیے گئے۔ ہندستان کو عملاً جنت نشان بنانے کا حلف بھی اٹھایا گیا، قسمیں کھا کھا کر لیڈروں نے بتایا کہ وہ کامیاب ہونے کیلئے اپنے ووٹروں کیلئے کیا کیا کریں گے۔ کچھ نے مفت اسکیموں کی گنگا بہائی تو کچھ جماعتوں نے ملک کو امریکہ اور یوروپ کے ہم پلہ بنانے کا وعدہ کیا۔ اب آج باری ووٹروں کی ہے۔ ملک کے ووٹروں کو اپنے حق رائے دہی کا استعمال کرنا ہے۔ ووٹروں کو فیصلہ کرنا ہے کہ وہ کیا چاہتے ہیں، کسے اپنا نمائندہ منتخب کرکے ایوان میں بھیجنا چاہتے ہیں، کیسی حکومت چاہتے ہیں۔

مجموعی طور پر کل 97 کروڑ ووٹر اپنے حق رائے دہی کا استعمال کریں گے۔ لیکن اگر دیکھا جائے تو یہ عام انتخاب گزشتہ عام انتخاب سے کئی معنوں میں الگ ہونے جارہا ہے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ انتخابات میں پہلی بار ووٹ ڈالنے والے 18-19 سال کی عمر کے ووٹروں کی تعداد 1.82 کروڑ ہے۔ یہ اکیسویں صدی میں پیدا ہونے والے وہ بچے ہیں جنہیں پہلی بار اسی عام انتخاب میں ووٹ ڈالنے کا موقع ملے گا۔ اس بار کے انتخاب میں مجموعی طور پر 21 کروڑ سے زیادہ نوجوان ووٹر اپنے ووٹ کا استعمال کریں گے۔

یہ نوجوان ووٹرز کسی کی بھی جیت یا ہار میں اہم کردار ادا کرسکتے ہیں۔ اس وجہ سے نوجوان ووٹروں کا لوک سبھا انتخاب میں کردار فیصلہ کن رہے گا۔ سیاسی جماعتوں کا مستقبل طے کرنے میں ان کا اہم ترین کردار رہنے والا ہے یعنی یہ نوجوان ووٹر شاہ ساز کی کلیدی حیثیت میں ہیں۔

ایسے میں ضرورت ہے کہ ملک کے نوجوانوں کے ساتھ ساتھ عام ووٹرز بھی اپنے حق رائے دہی کی اہمیت سمجھیں۔ ملک کی ترقی میں ہر ووٹر اپنے حق رائے دہی کا استعمال کرکے اپنا اہم کردار ادا کرتا ہے۔ ووٹ صرف ہمارا جمہوری اختیار اور حق ہی نہیں ہے بلکہ ذمہ داری بھی ہے۔ ووٹ ایسی طاقت ہے جس کا استعمال کرکے ہم ایک اہل شخص کا انتخاب کرسکتے ہیں اور اپنے ملک کی ترقی میں اپنا حصہ ڈال سکتے ہیں۔ ہمارے ایک ووٹ کی بھی بڑی اہمیت ہے کیوں کہ انتخاب میں ایک ووٹ سے ہی معجزہ ہوجاتا ہے۔ ہم دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت بھی ہیں، اپنی اس اہم ترین شناخت کو بچانا بھی ہماری ذمہ داری ہے۔ لہٰذا ووٹ کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے کافی سوچ بچار کرکے ہی اپنے حق رائے دہی کا استعمال کریں۔ لالچ، خوف، دباؤ، ڈر یا کسی طرح کی جانبداری کے بجائے پورے شعور و ادراک، ہوش مندی اور سوجھ بوجھ سے کام لیتے ہوئے ووٹ کے حق کا مثبت استعمال کریں اور اپنی بہترین صوابدید کے مطابق ایسے صحیح اور اہل نمائندہ کا انتخاب کریں جو صرف حکومت کرنے کی بجائے آپ کی ضرورتوں اور مسائل کا ادراک رکھتا ہو اور پوری نیک نیتی کے ساتھ ملک کی ترقی کا خواہاں ہو۔ ہندوستان کے آئین کی دفعہ 21 کے تحت کسی بھی ووٹر کا یہ بنیادی حق ہے کہ وہ بنا کسی ڈر، دباؤ یا زور زبردستی کے اپنے حق رائے دہی کا استعمال کرے، اسی وجہ سے ووٹر کی شناخت کو محفوظ رکھنا اور رازداری مہیا کرنا آزاد اور غیر جانبدار الیکشن کا لازمی حصہ ہیں۔

ہندوستان کی جمہوری بنیاد انتخابی نتائج پر استوار ہے۔ ہماری مقننہ اور پارلیمنٹ کا انتخاب عوام کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہمیں ووٹ کا آئینی حق حاصل ہے۔ ہم اسے معمولی سمجھتے ہیں، لیکن آئین ہمیں حق دیتا ہے کہ ہم جسے چاہیں ووٹ دیں اور اپنی سوچ بدلیں۔ ہمارا ایک ووٹ ایک اہم فرق لانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اگر ہم موجودہ حکومت سے غیر مطمئن ہیں تو اس سے بہتر حکومت کیلئے دوسرے کو ووٹ دے سکتے ہیں۔ اگر لوگ ووٹ نہیں دیں گے تو وہی پارٹی اگلے پانچ سال تک اقتدار میں رہے گی۔ اگر ملک میں اچھی حکمرانی نہ آئے اور پہلے کی طرح ہی بیڈ گورننس رہ جائے تو یہ عوام کا قصور ہے کہ انہوں نے غلط ووٹ دیا یا بالکل ووٹ نہیں دیا۔ اگر ہم ووٹ نہیں ڈالتے ہیں، حکومت چننے میں حصہ دار نہیں بنتے ہیں تو پھر ہمیں سرکاروں سے شکایت کرنے کا بھی حق نہیں ہونا چاہیے کہ وہ ہمارے لیے کچھ نہیں کررہی ہیں۔

edit2sahara@gmail.com

فیصلہ عوام کے ہاتھ میں

مکرمی!

اداریہ 'انتخاب میں کالادھن' کی بابت عرض ہے کہ بلاتفریق نظریات باہمی، بیشتر سیاسی پارٹیاں بہر طور اقتدار میں آنا چاہتی ہیں اور اسی لیے ان کے لیڈران الیکشن جیتنے کے لیے ہر حربہ استعمال کرنے پر آمادہ رہتے ہیں۔ مادیت پسندی کے اس دور میں اقدار و اخلاقیات کو ثانوی حیثیت حاصل ہے جبکہ حصول مال وزر کی اہمیت اولین تصور کی جاتی ہے۔ لہٰذا الیکشن کمیشن کی تنبیہ اور انتخابی اخراجات کی حد مقرر کردینے کے باوجود چناؤ سے قبل ہی ملک کی ریاستوں میں یکم مارچ تا 13 اپریل 4650 کروڑ روپے کی مالیت کی اشیا بشمول نقدی ضبطی سے کالے دھن کی بدترین صورتحال کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔ اداریہ کے خیال سے متفق ہوں کہ سیاسی جماعتیں اگر مقررہ حد کی پابندی کرتیں تو یہ نوبت نہ آتی۔ یہ ستم ظریفی حالات نہیں تو پھر اور کیا ہے کہ کالا دھن ختم کرکے بدعنوانی کو کچلنے اور ملک کی معیشت کو مستحکم کرنے کا دعویٰ کرنے والی سیاسی جماعتیں نیز ان کے امیدوار خود ہی پیسے کے دم پر ووٹ حاصل کرنے کے متمنی ہیں۔ لہٰذا حتمی فیصلہ اب عوام کے ہاتھ ہے کہ انہیں بدعنوانی سے پاک معاشرہ اور نظام حکومت مطلوب ہے یا پھر ایسی معیشت پر منحصر معاشرہ اور نظام حکومت جو کالے دھن سے داغدار ہو۔

اظہر علی خاں
شرافت منزل، کوتوالان، رامپور-1

مساجد کا تقدس ضروری ہے

مکرمی!

دین میں آج کل غیر معیاری سیاست کی آمیزش ہورہی ہے اور سیاست میں ذاتی فائدے کے لیے دین کے نام کا بیجا استعمال ہونے لگا ہے۔ مسجدیں یقیناً اللہ کا گھر اور عبادت کی جگہ ہوتی ہیں، یہاں صرف نماز، اللہ کی عبادت اور دین اسلام کی بات ہونی چاہیے نہ کہ فضول دنیا کی گفتگو اور سیاسی بیان بازی جس میں عموماً الزامات، غیبت اور فتنہ انگیز باتیں ہوا کرتی ہیں۔ یہ خبر پڑھ کر خوشی اور سکون محسوس ہوا کہ ماہ رمضان المبارک میں تلنگانہ کے محکمہ اقلیتی بہبود نے شہر حیدرآباد کی مرکزی مکہ مسجد میں سیاسی جماعتوں کو جلسے منعقد کرنے کی اجازت نہ دے کر پابندی عائد کردی ہے، یہ بہت اچھا اور مناسب اقدام تھا، اس پر ہمیشہ عمل ہونا چاہیے، چاہے الیکشن کا زمانہ ہو یا نہ ہو۔ لوگوں نے اپنے اپنے مفادات کے حصول کے لیے مساجد کو سیاسی اڈوں میں تبدیل کرلیا ہے جو انتہائی بری اور ناپسندیدہ بات ہے۔

وہیں فلسطین کے سنگین ہولناک حالات، فلسطینیوں پر اسرائیلی افواج کے مظالم، بربریت و درندگی، بے شمار فلسطینی مرد و خواتین اور ہزاروں معصوم بچوں کی شہادتوں پر امت مسلمہ انتہائی مغموم و مضطرب ہے۔ ہم جیسے عام مسلمان ان کے حق میں سوائے دعا کے کچھ اور کرنے کے موقف میں نہیں ہیں مگر دل بے چین و بے قرار ہے۔ سوشل میڈیا پر ان حالات میں یہ خبریں گشت کررہی ہیں کہ حیدرآباد کے بعض بدنام اور سزا یافتہ نوجوان سادہ لوح عوام کو فلسطین کی امداد کے نام پر بیوقوف بنا کر بھاری رقم وصول کرتے ہوئے اپنے ذاتی تصرف میں لاکر عیش کررہے ہیں اور ان کے خلاف آواز اٹھانے والوں کو فون کرکے دھمکا رہے ہیں۔ کمشنر پولیس حیدرآباد کو ان کے خلاف سخت کارروائی کرنی چاہیے اور ایسے دھوکہ بازوں سے عوام الناس کو بھی ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ واضح رہے کہ موجودہ حالات میں فلسطین جانا اور فلسطینیوں تک امداد پہنچانا بہت مشکل و ناممکن ہے، لیکن فلسطین ایمبیسی کے ذریعہ اس کارِ خیر کو انجام دیا جاسکتا ہے۔

زکریا سلطان -دبئی

نوٹ: ادارتی صفحے پر شائع مضامین میں مضمون نگاروں کے ذریعہ ظاہر کی گئی آرا ان کی ذاتی ہیں اور ادارہ اس کیلئے کسی طرح سے ذمہ دار نہیں ہے۔

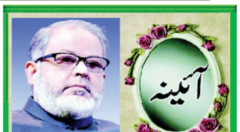

بغض و نفرت کے زعم میں آکر
کیسا ماحول یہ بنا بیٹھے
اک ذرا سی جو مل گئی طاقت
تم تو انسانیت بھلا بیٹھے

اقبال فردوسی

سہارا انڈیا ماس کمیونی کیشن کیلئے پرنٹر و پبلشر **ضیاء قادری** نے ایم این ایس پرنٹرس پرائیویٹ لمیٹیڈ نمبر 345/4 بھتراہلی، اولڈ مدراس روڈ، کے آر پورم، بنگلور-560049 سے چھپوا کر **دفتر روزنامہ راشٹریہ سہارا** ڈی-5، تھرڈ فلور، جیوتی کمپلیکس، اپوزٹ ماروتی سوزوکی شوروم، 134/1 انفینٹری روڈ بنگلورو-560001 سے شائع کیا۔
Published & Printed by **Zia Qadri** on behalf of Sahara India Mass Communication and Printed at **M.N.S. Printers Pvt. Ltd.** No.345/4, Bhattarahalli, Old Madras Road, K.R.Puram, Bengaluru-560049, Karnataka and Published from Office **Roznama Rashtriya Sahara** D-5, 3rd Floor, Jyothi Complex, Opp. Maruti Suzuki Showroom, 134/1, Infantry Road, Bengaluru-560001
Editor & Group Editor: **Abdul Majid Nizami** (editor.nizami@gmail.com) Resident Editor: **Nematullah Hameedi** (mnhameedi@gmail.com) * **ایڈیٹر اینڈ گروپ ایڈیٹر: عبدالماجد نظامی ■ ریزیڈنٹ ایڈیٹر: نعمت اللہ حمیدی**
For News Blr: **saharaurdubangalore@gmail.com** ■ **Advertisement. Bengaluru: 080-25594449 (National):** ■ 0-9891773434, 9899452476 **Email:** adsahara@gmail.com
www.roznamasahara.com **9448051975 :** سرکولیشن، **080-25594449 :** ٹیلی فون نمبر بنگلور آفس
R.N.I. No.KARURD/2007/22871 **Roznama Rashtriya Sahara** (Bengaluru) Regd.: KA/BGGPO/2555/09-11
سال: 16 شمارہ نمبر: 5809
* اس شمارہ میں شامل شائع شدہ تمام خبروں کے انتخاب اور ایڈیٹنگ کیلئے ذمہ دار
ہمیں فخر ہے کہ ہم ہندوستانی ہیں
روزنامہ راشٹریہ سہارا ○ حب الوطنی ○ فرض شناسی ○ ایثار